

محکمہ کلاسیک

قرۃ العین سکندر

”تم کیسی باتیں کر رہے ہو، مجھے تو اب تمہاری باتیں سن کر ڈر لگنے لگا ہے، کیا وہ لڑکی کوئی جادو کرنی ہے جو تم یوں بول رہے ہو؟“ پاکیزہ بی بی اپنے لخت جگر کی باتیں سن کر اس لڑکی کے لیے بہرام کے جذبات کو سمجھ رہی تھیں۔

”مام اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں کھل کر جیوں تو پلیز شادی کے معاملے میں مجھ پر اپنے فیصلے تھوپنے کی کوشش نہ کریں۔“ بہرام نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

پاکیزہ بی بی خاموشی سے لوٹ گئی تھیں۔ ابھی بہرام پر کسی بات کے لیے زور دینا ٹھیک نہ تھا۔ پاکیزہ بی بی معاملہ فہم خاتون تھیں، جانتی تھیں کہ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہوا کرتا ہے، اس معاملے میں تیزی دکھانے کا نتیجہ خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ یوں بھی یہ معاملات اس طرح حل نہیں ہوا کرتے اس کے لیے تو دونوں فریقین کی پسندیدگی کا شامل ہونا ضروری ہوتی ہے، اس طرح زور زبردستی سے رشتے استوار نہیں کیے

جاسکتے ہیں۔



”میں کیسی لگ رہی ہوں؟“ ندانے کوئی دسویں مرتبہ یہ سوال نیلم سے کیا تھا۔ پچھلے دو دن سے ندانے پورا گھر سر پر اٹھا رکھا تھا، اس کا کہنا تھا کہ اس کی عزیز از جان دوست کی سالگرہ فنکشن ہے تو میں ہر لحاظ سے پرفیکٹ دکھنا چاہتی ہوں۔

”یہ سوال تم نے کوئی دسویں مرتبہ مجھ سے پوچھا ہے۔“ نیلم نے چڑ کر کہا۔

”ہاں تو میں اچھا لگنا چاہتی ہوں ناں میری جان۔“ وہ کھل کر مسکرائی۔

”تم اچھی نہیں بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ نیلم نے کھلے دل سے اس کی تعریف کی۔

”میں کہیں سے غریب تو نہیں لگ رہی ناں؟“ ندانے کچھ پریشان ہو کر اپنی لانگ فرائک کو دیکھا۔

”اللہ کا نام لو لڑکی، تم نے کل سے سب کو اتنا ستایا ہوا ہے، میں نے اتنی جلدی یہ فرائک ڈیزائن اور سلائی کی ہے جیسی تم نے مجھے میگزین والی ماڈل کی دکھائی تھی پھر بھی تم مطمئن نہیں ہو۔“ نیلم نے قدرے خفگی سے کہا، یہ بات اپنی جگہ بالکل درست تھی کہ نیلم کے سر پر کھڑے ہو کر ندانے یہ مکمل کرائی تھی۔

”تمہاری الماری میں اتنے تو کپڑے ہیں تقریباً ہر دوسرے ماہ تو تم دو سوٹ سلواتی ہو، ان میں سے کوئی پہن لو۔“ نیلم نے کہا بھی تھا لیکن نیلم کا مشورہ ندا کو بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

”میں اس کی تقریب میں مہمان خصوصی جیسی ہوں، وہ سب سے میرا بیسٹ فرینڈ کہہ کر تعارف کر دائے گی، ایسے میں میرے پرانے کپڑے ہوں تو کتنا برا لگے گا ناں؟ پلیز میری بہن نہیں اچھی والی، اس کپڑے کی فرائک سی دوا چھی سی۔“ کل ہی وہ پورا بازار چھان کر میگزین والی ماڈل جیسا پرنٹ لے کر آئی تھی اور اس سے ہم رنگ کپڑا بھی اس نے چھان پھٹ کر لیا تھا۔ اب وہ نیلم کے سر ہو گئی تھی فرائک سلوانے کے لیے۔ نیلم نے بھی بالآخر ہتھیار ڈال دیے تھے۔

”اچھا ٹھیک ہے تم جیسا کہتی ہو میں سلائی کر دیتی ہوں۔“ نیلم نے ان تھک محنت کر کے اس کا سوٹ راتوں رات مکمل کر دیا تھا۔ جسے اب ندا پہنے ہر زاویے سے اپنا جائزہ لے رہی تھی۔

”لڑکیوں کچھ تو کھا لو صبح بھی ندانے ناشتے کے نام پر ایک کپ چائے پی کر جان چھڑالی تھی۔“ باہر سے اماں بھی آوازیں دے رہی تھیں۔

”امی بھی ناں اتنا ٹھونس کر جائیں گے تو وہاں کیا کھائیں گے بھلا؟“ ندانے مزے لے کر کہا۔

”تم تو بہت ہی ندیدی ہو اور ہر وقت تمہارے ذہن میں کھانے ہی گھومتے رہتے ہیں۔“ نیلم نے چڑ کر کہا۔

”ہاں تو ٹھیک ہے ناں ہم کھائیں گے نہیں تو جیسے گے کیسے بھلا۔ میں تو وہاں کی ہر ڈش انجوائے کرنے والی ہوں۔“ ندانے مسکراتے ہوئے گھوم گھوم کر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا پھر کچھ یاد آنے پر بری طرح چوکی۔

”تم کیا چہرے پر نحوست لیے بیٹھی ہو، ارے جلدی کرو تیار ہو جاؤ دیر نہ کر ادینا کہیں۔“ ندانے دھائی

دی۔

”ندا مجھے تو معاف ہی رکھو، میرا کہیں بھی جانے کا موڈ نہیں ہے، یوں بھی رات بھر جاگ کر سوٹ مکمل کیا ہے، عجیب سی تھکن سوار ہے، تم جاؤ میں ابا سے اجازت لے دیتی ہوں۔“ نیلم نے تو صاف انکار کر کے ہری جھنڈی دکھا دی تھی۔

”ہائے میری لاڈلی بہن ایسا تو نہ کہو، میں وہاں کتنا اکیلا فیل کروں گی۔ نہیں..... نہیں تم میری ساتھ چلوں گی، پلیز میری اچھی بہن۔“ ندا نے خوشامد میز لہجے میں کہا۔

”افوہ..... ایک تو تمہارا یہ بچپنا ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔“ نیلم نے خفگی سے کہا۔

”پلیز ناں۔“ ندا رونے والی صورت بنا کر بولی۔

”لیکن اب وقت اتنا کم ہے نہ میں نے تیاری کی ہے نہ ذہن بنایا تھا۔“ نیلم نے جواز تراشا۔ اس کے سر میں ہلکا سا درد تھا اور اس کا واقعی کہیں بھی جانے کا دل نہیں کر رہا تھا اور پھر بھیڑ میں جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

”کاشف بھائی سے سفارش کرواؤں کیا؟“ ندا نے منہ بسور کر آواز میں ہلکی سی شرارت پیدا، کاشف کا نام سن کر نجانے کیوں نیلم کے دل میں ہلکی سی ممانعت بھری لہروں نے ہلچل مچا دی تھی۔

”اچھا بابا اب بس کرو..... بہت ہی بولتی ہو۔“ اس نے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

”اچھا بات مان گئی ناں؟“ ندا ہنس دی۔

”ہاں بابا مان گئی ہوں۔“ نیلم نے بے بسی سے کہا۔ اسی وقت ندا نے اس کی الماری کھولی اور کپڑے نکالنے لگی تھی بلکہ ساری الماری ہی اس کے سامنے خالی کر دی تھی اور ایک ایک کپڑے کو اٹھا اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔

”یہ والا کیسا رہے گا؟“ ایک گرین کلر کا بے حد خوب صورت ہلکے کام والا سوٹ تھا جو بے حد خوب صورت لگ رہا تھا۔

”یہ والا۔“ نیلم نے متعجب ہو کر کہا۔

”ہاں..... ہاں بالکل یہ والا ہی پرفیکٹ رہے گا۔ مجھے تو بہت اچھا لگ رہا ہے اس کا کلر بھی اور یہ نیا کور ہے، نہیں پہنا ناں؟“ ندا نے پوچھا۔

”بس عید پر دو گھنٹے کے لیے پہن کر رکھ دیا تھا۔“

”کیوں.....؟“

”اب یہ پہن کر گھر کے کام اور برتنوں کا ڈھیر تو نہیں دھویا جاسکتا تھا۔“ نیلم نے اپنی دانست میں جواز پیش کیا۔

”تو اب تو بہترین موقع ہے، یہ کتنا خوب صورت ہے قسم سے پہلے دیکھا ہوتا تو یہی پہن لیتی، میرے تو دماغ میں بھی یہ نہ تھا۔“ ندا کو تو یہ سوٹ دیکھ کر اب اپنا والا کم لگ رہا تھا، نیلم ہنس دی۔

”تو اب کون سا تم چلی گئی ہو پہن لو۔“ نیلم نے فراخ دلی سے آفر کی۔

”ہاں ٹھیک ہے لیکن یہ ماڈل والا ڈیزائن نہیں ہے ناں تو جو میں نے پہنا ہے وہی اچھا ہے، میں نے تو اب ہلکا میک اپ بھی کر لیا ہے اب میں منہ نہیں دھونے والی۔“ ندانے دھالی دی۔

”میرے لیے کیا حکم ہے اب؟“ نیلم نے چڑ کر پوچھا۔

”یہی حکم ہے کہ یہ لباس زیب تن کرو اس کے بعد ہلکا سا میک اپ کرو اور میں پھر گاڑی منگواتی ہوں۔“

”فریال نے کہا تھا کال کر دینا بس۔“ ندانے وضاحت پیش کی۔

نیلم اس کی بات سن کر لباس تبدیل کرنے واش روم میں چلی گئی تھی۔ جب نیلم لباس زیب تن کر کے باہر آئی تو ہلکا میک اپ کے ہی وہ حد درجہ حسین لگ رہی تھی، ندانے تو فوراً کٹری کا نشان دکھایا۔

”ہائے آج تو کاشف بھائی کی خیر نہیں ہوگی۔“ ندانے سراسر چھیڑتے ہوئے کہا جس پر نیلم بری طرح جھینپ گئی تھی۔

”اب تھوڑا سا میک اپ کر لو۔“ ندانے مشورہ دیا۔

”بالکل نہیں..... مجھے آکورڈ فیل ہوگا، میں ایسے ہی بھلی ہوں۔“ نیلم نے صاف انکار کر دیا مگر وہ ندانی

کیا جو بات سن لیتی۔ اس نے نیلم کی نانا کے باوجود بھی اس کا ہلکا سا میک اپ کر دیا تھا۔ آنکھوں میں کاجل کی پتلی سی لکیر اور ہونٹوں پر لپ گلوں سے ہی اس وقت نیلم کا چہرہ مزید چمکنے لگا تھا۔ ندانے نیلم کے بالوں کو سامنے سے پن لگا کر پشت سے کھلا رہنے دیا تھا۔ نیلم نے آئینہ دیکھا تو وہ اس کے ہی عکس کو مزید جھلملاتا ہوا پیش کر رہا تھا۔

”اللہ..... یہ زیادہ اوور نہیں ہو گیا؟“ نیلم نے ہراساں ہو کر کہا۔

”ہرگز بھی نہیں..... اتنی خوب صورت لگ رہی ہو، اب میں پھیک پیڑ گئی تمہارے سامنے۔“ ندانے خلوص دل سے تعریف کی۔

”اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے، تم ذرا مکھن کم لگاؤ ویسے بھی اب تمہارے ساتھ جانے کے سوا میرے پاس کوئی آپشن نہیں رہ گیا ہے۔“ نیلم نے منستے ہوئے کہا۔

”اب میں کال کر لوں۔“ ندابا ہرنگی تو نیلم بھی امی کو دیکھنے کچن میں آگئی تھی۔ اس وقت بائیک پر کاشف گھر میں داخل ہوا تھا۔

”اچھا چھٹی کی ہے اور بڑی لاش پش ہو رہی ہو۔“ کاشف کی نگاہوں میں گویا نور سا بھر گیا تھا، اس کی نگاہیں نیلم کے چہرے پر گڑھی گئی تھیں۔

نیلم کے حسن سے اس کی نگاہیں خیرہ ہو رہی تھیں، عام معمول میں بھی نیلم سادگی میں اتنی پیاری لگتی تھی مگر آج تو اس کی چھپ ہی زالی تھی۔

”وہ ندا کی دوست کی سالگرہ کا فنکشن ہے ناں اس کے لیے تیار ہوئی ہوں۔“ نیلم نے سر جھکائے اپنے ناخنوں سے کھیلے جواب دیا۔

”تم اتنی پیاری لگ رہی ہوں کہ میرا تو آج ہی شادی کرنے کا دل کر رہا ہے۔“ کاشف نے آج سے قبل اس قدر فری ہو کر بات نہ کی تھی، نہ بھی کھل کر اس طرح لفظوں کا انتخاب کیا تھا۔ نیلم کا سر جھٹکا چلا جا رہا تھا،

نیلیم کی شرمگین مسکراہٹ کاشف کا دل موہ رہی تھی۔

”کیا میری بہن کو نظر لگانے کا ارادہ ہے؟“ ندانے آتے ہی ان دونوں کو پاس کھڑا دیکھ کر چھیڑا۔
”نظر تو غیروں کی لگتی ہے اپنوں کی نظر کہاں لگتی ہے۔“ لفظ اپنوں پر کاشف نے زور دیا تھا۔
”ہاں جی..... اپنے.....“ ندانے بھی جتایا۔

”ویسے وہاں سب میری نیلیم کو دیکھیں مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔“ کاشف نے ہنستے ہوئے برملا کہا۔
”فی الحال تو آپ اوپر جائیں اس سے پہلے کہ آپ کی امی کی آواز آئے کہ بیٹا گھر آ گیا لیکن نیچے بیٹھا رہ گیا۔“ ندانے چڑایا۔ یہ بات واقعی سچ تھی کہ کاشف جیسے ہی گھر میں داخل ہوتا بایک کی آواز آتے ہی عظمیٰ کان لگا لیتی تھیں، اکثر بالکونی سے جھانک لیتی تھیں۔ ذرا سی دیر ہونے پر باز پرس شروع کر دیتی تھیں۔ ایک لحاظ سے وہ بھی اپنی جگہ درست تھیں، اکلوتے بیٹے پر ماں اپنا حق جتاتی تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ نیلیم کے حوالے سے کاشف کتنا حساس ہے۔ اس لیے وہ اپنے بیٹے پر نگاہ رکھتی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ابھی سے سرال کی جانب کاشف کا اتنا زیادہ جھکاؤ ہو، کیونکہ وہ نیچے چچا چچی کا گھر کم اور کاشف کا سرال زیادہ بگھتی تھیں، اس لیے خود سارہ اور نیلیم کا بھی محتاط رویہ ہوا کرتا تھا۔ تبھی کبھار چھٹی والے دن ہی عظمیٰ عابد کی موجودگی میں سب مل کر کھانا کھایا کرتے تھے۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

”جاؤ نیلیم..... ندا جلدی کرو لگتا ہے ڈرائیور آ گیا ہے۔“ سارہ بیگم چاہتی تھیں کہ یہ دونوں وقت پر جائیں اور جلدی لوٹ آئیں۔

”میں لے جاتا..... آپ نے چچی مجھ سے کیوں نہیں کہا؟“ کاشف کو حیرت اور تاسف نے گھیر لیا تھا۔
”بیٹا..... اس دن ندا کی دوست خود کہہ گئی تھی کہ گاڑی بھجوادے گی تو میں نے منع نہیں کیا تھا، اچھا نہیں لگتا خود ہی زور دے کر گئی تو میں نے سوچا کیوں تم کو پریشان کیا جائے۔“ سارہ نے کہا۔
”آپ بھی کبھی کبھی غیر کر دیتی ہیں بالکل۔“ کاشف نے خفگی سے کہا۔

تب ہی حسب معمول اوپر سے عظمیٰ نے چلا کر پکارا، شاید ان کی ہمت اور صبر کا پیمانہ یہی تک تھا کیونکہ اب آوازیں لگانی شروع کر دی تھیں۔

”تم جاؤ بیٹا تمہاری ماں پریشان ہو رہی ہوگی، پہلے ماں سے مل لو۔“ سارہ کو فکر مندی نے گھیرا، کاشف سر جھٹکتا ہوا زینہ عبور کر کے چڑھ گیا تھا، ندانے نیلیم کو پکارا۔

”تم ڈرائیور سے بولو آتے ہیں، میں پرس اور اس کا گفٹ تو اٹھا لوں۔“ ندا کو فریال کے لیے خریدا ہوا گفٹ یاد آیا تو نیلیم نے جھنجھلا کر اسے دیکھا۔

”ہر کام میں مجھے آگے کر دیتی ہے یہ لڑکی۔“ دستک دوسری بار زوردار طریقے سے ہوئی تھی۔
نیلیم نے ”کون“ کہہ کر دروازہ کھول دیا تھا۔

سامنے موجود شخص کو دیکھ کر اس کا دل دھڑکنے لگا، بھول گیا تھا۔ بہرام شاہ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ وہاں کھڑا اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔

”دیکھا میں نے تمہیں ڈھونڈ ہی لیا ناں؟ میری محبت نے تمہیں تلاش کر ہی لیا۔“ وہ حد درجہ حیرت سے گنگ کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

”کون ہے.....؟“ عقب سے سائرہ نے پکارا۔
”آنٹی مجھے فریال نے بھیجا ہے پک کرنے کے لیے۔“ فریال کے نام پر نیلم کے ذہن میں دھماکا سا ہوا۔ دوسری طرف بہرام شاہ کے دل میں گھنٹیاں سی بج اُٹھی تھیں۔

اتنی حسین لگ رہی تھی نیلم کے نگاہ ہٹانا دنیا کا دشوار ترین کام لگ رہا تھا جب وہاں فریال نے کہا تھا۔
”پلیز آپ میری دوست کو پک کر لیں گے؟“ تب بہرام کے ذہن کے کسی کونے میں بھی نیلم کا خیال نہیں تھا۔ وہ فنکشن میں بھی مارے باندھے جا رہا تھا۔ اس کا موڈ قدرے آف تھا۔ خاص طور پر شفق کی مسلسل اس پر پڑتی نگاہیں اب ضرور اس کو سمجھ میں آنے لگی تھیں اگر پاکیزہ بی بی اس سے بات نہ کرتیں تو اس کو تو معلوم ہی نہ ہوتا کہ شفق اس کے بارے میں ایسا سوچتی ہے۔

”شفق بتاؤ بہرام بھائی ڈیننگ لگ رہے ہیں آج؟“ فریال نے جب خود بہرام کے سامنے شفق سے پوچھا تو بہرام ایک دم ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”بہت اچھے لگ رہے ہیں ہمیشہ کی طرح، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے بھلا؟“ بہرام کا شفق کی بات سن کر بھی موڈ اور تیور دنوں بگڑ گئے تھے۔

”کیا بات ہے موڈ خراب لگ رہا ہے؟“ شفق اس کی مزاج آشنا تو نہ تھی لیکن جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کے مزاج اور موڈ کے مطابق ہم مقابل خود بخود ہی اپنی ذات کو ڈھالنے لگتا ہے اور ایسا ہی اس وقت شفق کے ساتھ معاملہ تھا۔ بہرام ہر گز نہیں چاہتا تھا کہ شفق کو اس کے موڈ اور مزاج کے مطابق پتا چلے لیکن شفق کا موڈ بھی اب ایک دم ہی خراب ہو چلا تھا۔ بہرام کو شفق کی مسلسل خود پر پڑنے والی نگاہوں اور ذومعنی جملوں سے اب وحشت ہونے لگی تھی۔ وہ یہاں سے راہ فرار چاہتا تھا جب اچانک فریال نے کہا۔

”ارسل بھائی تو اچانک ہی اسلام آباد چلے گئے ہیں صرف احمد ہیں مگر وہ تو شاید سنیں ہی ناں۔ کیا آپ میری بیسٹ فرینڈ کو پک کر سکتے ہیں، اکیلے ڈرائیور کے ہمراہ بھیجنا مناسب نہیں ہوگا۔“ فریال حد درجہ پریشان تھی، بہرام نے تو فقط یہاں سے خلاصی چاہنے کی نیت سے حامی بھر لی تھی لیکن جب فریال نے اسے وہی لوکیشن بتائی جو نیلم کے گھر کی طرف جاتی ہے تو وہ حد درجہ پر جوش ہو گیا تھا تب اس کے دل سے نکلا کاش گھر بھی وہی ہو اور اس کے بعد جو نشانیاں فریال نے بتائی تھیں وہ نیلم کے گھر کی ہی طرف جاتی تھیں۔

”دوست کا نام تو بتا دو ایسا نہ ہو کسی اور گھر گھس جاؤں اور میری درگت بن جائے۔“ وہ مسکرایا، اچانک ہی اس کا موڈ خوش گوار سا ہو گیا تھا۔

”جی..... میری دوست کا نام ندا ہے اور دروازے پر نمبر درج ہے۔“ پھر اس کے بعد تو کسی شک کی گنجائش نہ رہی تھی، اس نے دل میں سارے راستے یہی دعا کی تھی کہ کاش اس کو نیلم دکھائی دے جائے، کہتے ہیں سفر کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس کی دعا مقبول ہو گئی تھی۔ دروازہ نیلم نے ہی کھولا تھا اس کے عین سامنے

کھڑی تھی تک سک سے تیار۔ اتنی خوب صورت لگ رہی تھی جتنی پہلے کبھی نہ لگی تھی۔ اس کا چہرہ جیسے کہتا ہو مجھے بار بار دیکھو، ہر بار دیکھنے پر نگاہ مسحور ہو جاتی تھی۔ محور کن شخصیت تھی۔ سفید رنگت، غزالی آنکھیں، خوب صورت نقوش، اونچا لمبا قد اور دل کش سراپا، نگاہیں اس پر مرکوز تھیں۔ چہرے پر پڑنے والی لٹیں بھی اس وقت بہرام کو خوش نصیب لگ رہی تھیں جو اس کے محبوب چہرے کو چھونے کی سعادت حاصل کر رہی تھیں، وہ تو شاید پتھر کا بت بنا کھڑا رہتا کہ اچانک ایک چلبلی سی لڑکی نے آ کر اس بت کو ہلا دیا تھا۔

کوچہ جاں سے شب و روز گزرتا ہوں
تیرے نام کی مالا میں روز جیتا ہوں
تجھے مجھ سے یہ وحشت کیوں ہے
یہ لحظہ ہر پل یہ سوچتا رہتا ہوں
آہ و فغاں میں کٹ گئی یہ عمر اپنی
اس ستم گر یہ روز جیتا روز مرتا ہوں
چشم اپنے کس قدر تر رہتے تھے
جب کبھی سوچتا ہوں ہنستا ہوں
الفت میں ملوث یہ تیرا شیدائی

نہ سمجھ دور تیرے آس پاس رہتا ہوں
تدارک نام ہی تو ہے میرا اپنا

اغیار سے یہ سن سن کر چلتا ہوں
اور کیسے کہوں پانا تیرا سوا
سوالی لیے تجھے ہی اپنا کہتا ہوں

”آپ لینے آئے ہیں ناں ہمیں..... ارے آپ شکل سے ڈرا یو تو نہیں لگ رہے؟“ ندانے بلا تکان بولتے ہوئے کہا جبکہ نیلم کو ند پر بے تحاشا غصہ آیا جو منہ میں آیا بول رہی تھی۔

”جی.....؟“ وہ حیران ہوا۔

”اچھا ہو سکتا ہے کہ فریال ڈرا یو بھی ڈشنگ پسند کرتی ہو، اچھا میں امی سے تو مل لوں۔ امی اللہ حافظ۔“ ندانے وضاحت بھی طلب نہ کی، نیلم کے چہرے کے ہر پل بدلتے تاثرات سے بہرام شاہ محظوظ ہو رہا تھا جبکہ ند آرام سے بہرام کے سامنے ہی اس پر تبصرہ فرما رہی تھی اور لفظ ڈشنگ پر بہرام ہنس دیا ہولے سے جو ندانے تو امی سے ملنے کے چکر میں دیکھا تک نہیں لیکن نیلم اپنی جگہ حد درجہ شرمندہ ہو رہی تھی۔ نیلم نے ندا کو ایک جانب لے جا کر گھر کا۔

”یہ تم کیوں اس کے ساتھ اتنی بکواس کر رہی ہو، چپ نہیں رہے سکتی، ورنہ میں نہیں جانے والی۔“ دل تو نیلم کا ویسے بھی یہی چاہ رہا تھا کہ عین وقت پر جانے سے انکار کر دے لیکن وہ کسی کو بھی شکایت یا شک کا کوئی موقع فراہم نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ دونوں بہرام کے عقب میں چلتی گھر سے نکلیں، ڈرائیور سمجھ کر ندائے فکری سے بول رہی تھی۔
”ویسے پہلا اتفاق ہوگا کسی عالیشان بنگلے میں انٹری کا ہائے۔“ ندا پھر شروع ہو گئی جبکہ اسے نیلم کی گھوریوں کو بھی نظر کر دیا تھا۔

بہرام ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور دونوں جب بیٹھنے لگی تھیں تو بہرام نے بھی پوری ایکٹنگ کی تھی۔
ڈرائیور کی طرح ہی نیلم اور ندا کے لیے عقبی دروازہ کھولا اور پھر جب وہ بیٹھ رہی تھیں تو سر تسلیم خم کر دیا تھا۔
نیلم نے زچ ہو کر بہرام کو دیکھا تو بہرام نے چہرے پر مسکان سجالی تھی۔ نیلم کا تو خون جل رہا تھا، وہ تو خود کو کوس رہی تھی جب اس نے ندا سے اس تقریب میں جانے کے لیے حامی بھری تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ کیا واقعی دنیا اتنی ہی چھوٹی ہے کہ بہرام ان کے گھر تک پہنچ گیا اور ہے بھی فریال کا رشتے دار۔ وہ تو دنگ تھی اس اتفاق پر۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ ندا سے واپسی پہ کہے گی کہ ”امیر دوستوں سے فاصلے روار کھے۔“
”کتنے عرصے سے یہ جاب کر رہے ہیں؟“ ندانے بات برائے بات شروع کی۔

”جی آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟“ بہرام نے چونک کر پوچھا۔ وہ بات تو ندا سے کر رہا تھا لیکن عقبی مرر سے نگاہیں نیلم کے دل کش چہرے پر ٹکا رکھی تھیں۔

”ہاں بالکل..... کیا تمہارے علاوہ بھی کوئی ڈرائیور موجود ہے یہاں؟“ ندانے تیز لہجہ میں کہا۔ نیلم نے اس کو چنگی بھری تاکہ وہ نان اسٹاپ بولنا بند کر دے لیکن ندا ”اف“ کر کے کراہ کر رہ گئی تھی۔
”اب تمہیں کیا مصیبت ہے، بولنے بھی نہیں دے رہی ہو۔“ ندانے ناراضی دکھاتے ہوئے کہا جبکہ بہرام تو جانتا تھا کہ نیلم اس کو زبان بندی کے لیے کیوں کہہ رہی ہے۔

”کچھ عرصہ ہی ہوا ہے۔“ بہرام نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔
”تنخواہ کتنی ہے؟“ ندانے پوچھا تو نیلم نے ندا کو اس کے حال پر چھوڑ کر اپنا رخ شیشے کی جانب کر لیا، بہرام نے عقبی مرر سے نیلم کے چہرے پر بے زاری دیکھ لی تھی۔
”تنخواہ کافی اچھی ہے، اچھا خاصا گزرا ہو جاتا ہے۔“ بہرام نے مظلوظ ہوتے ہوئے سادگی سے جواب دیا۔

”ہاں میری دوست کے فادر بہت امیر انسان ہیں، میں نے سنا ہے کہ وہ کھلے دل کے مالک بھی ہیں۔ فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں، تم دل لگا کر کام کرو گے تو ترقی یقینی ہوگی۔“ ندا کی اس طرح کی بے تکان باتوں کے درمیان بنگلہ آچکا تھا۔ بے حد خوب صورت دیدہ زیب، آنکھیں برقی قہقہوں اور آرائش خوب صورت پھولوں سے چکا چوند ہو رہی تھیں۔

”آپ کی منزل آگئی ہے۔“ وہ ایک جانب کار روک کر نیچے اترا اور حد درجہ ادب سے اس نے نیلم کا دروازہ کھولا۔

نیلم کے وہ اس قدر قریب کھڑا تھا کہ نیلم کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا، وہ یہاں سے فرار ہونا چاہتی تھی لیکن وہ اس کے اطراف گویا اپنی محبت کا دائرہ تنگ کرتا چلا جا رہا تھا اور محبت کے اس شکنجے میں اس کی سانس گھٹی جا رہی تھی۔

ندا ایک ادائے بے نیازی سے نکلی اور نیلم کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئی، عقب میں بہرام کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی، ان کو جیسے ہی فریال نے اندر داخل ہوتے دیکھا تو چلا کر آگے بڑھی۔

”آگئی میری دوست..... تھینک یو سو مچ۔“ وہ آگے بڑھ کر گلے لگی۔

”میری بیسٹ فرینڈ کی سالگرہ ہو اور میں نہ آتی ایسے تو ہو نہیں سکتا ناں۔“ ندا نے مسکرا کر کہا، غیر محسوس طریقے سے اس کی متلاش نگاہیں ارسل کو تلاش رہی تھیں مگر وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا، وہ یہاں ہوتا تو دکھائی دیتا۔

”سفر خیریت سے گزرا ناں، ویسے میں نے بہرام بھائی کو اس لیے بھیجا تھا کہ ڈرائیور کے ساتھ تم لوگ کمفرٹ فیل نہ کرتی ناں۔“ فریال اپنی ہی رو میں بولی اور ندا پر تو گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔

”بہرام کون؟“ ندا متعجب ہوئی۔

”ارے میرے عزیز ہیں ناں؟ شفق کے کزن ہیں بہرام بھائی، ان کی بہت ساری بیرون اور اندرون ملک کمپنیاں ہیں۔ ان کے پاپیاسیست میں بھی ہیں، کروڑوں کی جائیداد کا اکلوتا وارث ہے میرا کزن۔“ فریال مزے سے تعریفیں کر رہی تھی تب تک کار کو پارک کر کے بہرام بھی آ گیا تھا اور آخری جملہ اس نے بھی سن لیا تھا اور ندا کے چہرے پر لجالت بھی دیکھ لی تھی۔

”لیکن آپ کی دوست تو سارے راستے مجھے ڈرائیور ہی سمجھتی رہی ہے فریال اور پوچھ رہی تھے کہ فریال تنخواہ کتنی دیتی ہے؟“ بہرام ہنس رہا تھا۔ فریال کا تو منہ ہی کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ اس نے بے یقینی سے پلٹ کر ندا کو دیکھا تو ندا شرم سے آنکھ نہ ملا رہی تھی۔

”خیر ہو جاتا ہے، تم اپنی دوستوں کو کمپنی دوا چھا خیال رکھنا لگتا ہے پہلی مرتبہ یہاں آنا ہوا ہے، کیا تعارف بھی نہیں کرواؤ گی۔ ویسے ڈرائیور کی حیثیت سے تو ہو ہی چکا ہے۔“ بہرام ہولے سے مسکرایا۔

”چلو مانا کہ مجھ سے پہچان میں غلطی ہوئی آپ کو تو بتانا چاہیے تھا ناں۔ آپ بھی تو ہاں میں ہاں ہی ملاتے رہے۔“ ندا نے قدرے خفگی سے کہا۔

”میں نے سوچا شاید آپ کی سسٹر بتا دیں کہ میں ان کا کلاس فیلو ہوں، کوئی ٹیٹ پونجیا نہیں مگر افسوس ان کی چپ تو نہ ٹوٹی۔“ بہرام نے قدرے سنجیدہ لہجہ میں کہا، اب کے حیران ہونے کی باری ندا کی تھی، اس نے منہ کھول کر ہلکے دھڑکے سے دیکھا۔

”میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔“ نیلم نے انگلیاں چٹختاتے ہوئے سفید جھوٹ بولا۔

”چلیں اب تجھے دیکھ لیں تا کہ آئندہ میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں۔“ بہرام نے اس کے قریب ہو کر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”مجھے کیا ضرورت ہے کہ آپ کو یاد رکھوں۔“ نیلم نے خفا ہو کر کہا۔ اس کے لہجہ میں سرد مہری کو سب نے ہی محسوس کر لیا تھا لیکن کسی نے بھی پوچھنے کی جسارت نہیں کی تھی۔

”اوکے.....“ نجانے کیوں بہرام کے دل میں چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا۔

”کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ کسی کی یاد میں رہوں بہر حال انجوائے کریں سب۔“ وہ کہہ کر لمبے لمبے

ڈگ بھرتا دوسری جانب بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی نیلم نے سکھ کا سانس لیا تھا۔
 ”یار..... میں بہت شرمندہ ہوں، مجھے بالکل نہیں معلوم تھا کہ یہ تمہارے.....“ ندا کے لہجہ میں واقعی
 ندامت تھی جبکہ فریال ہنس دی۔

”یاگل مت بنو، وہ مذاق کر رہے تھے، ناراضی تھوڑی ہیں۔“ باتوں کا رخ بدل گیا تھا، اچانک ہی فریال،
 ندا کو کھینچ کر اپنے گھر والوں سے ملوانے لے گئی تھی، دراصل اسے تو احمد کے بارے میں ندا سے باتیں کرنا
 تھیں اور وہ ساری باتیں نیلم کے سامنے نہیں ہو سکتی تھیں اور اس طرح جب وہ اسے کھینچ کر ایک طرف لے
 گئی تو نیلم بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔

ایک طرف میز کے پاس خالی کرسی دیکھ کر نیلم اس پر بیٹھ گئی، وہ یہاں شدید بوریٹ محسوس کر رہی تھی،
 سوچ رہی تھی کاش کاش بھی ساتھ آ جاتا لیکن یہ ہو نہیں سکتا تھا، تائی جان ہرگز پسند نہ کرتی کہ کاشف یہاں
 ان دونوں کے ہمراہ آئے۔

”میں بھی کیا، کیا سوچ لیتی ہوں۔“ اس نے خود کو ہی ڈپٹا، اس نے یوں ہی وقت گزاری کے لیے
 اطراف میں دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ امیر کبیر خواتین رکھ رکھاؤ والی، بے حد اعلیٰ دیدہ زیب ملبوسات میں اور
 اس کی مناسبت سے ہلکے گولڈ کے سیٹ آویزاں کیے تھیں۔ اس طرح سگار سلگاتے ہوئے مرد حضرات جو
 یقیناً بزنس اور سیاست کو زیر بحث لا کر آپس میں گپ شپ کر رہے تھے، کبھی کبھی کسی طرف سے جوش
 خطابت میں آواز اونچی بھی ہو جاتی تھی تو اندازہ ہوتا تھا کہ سیاست میں بات چیت اور عقیدہ نظریات خوب
 زوروں پر ہے۔ سیاست ایسی ہی چیز ہے کہ اچھے اچھوں میں مخالفت کے پہلو نکل آتے ہیں۔ اسی طرح
 خواتین فیشن اور نئے نئے برانڈ کی چیزوں کو ڈسکس کر رہی تھیں۔ یہاں اس کی دلچسپی کا تو کچھ بھی نہیں تھا،
 ینگ جزییشن یہاں کم تھی شاید محض فریال کے کزن ہی تھے جو آپس میں گپ شپ کر رہے تھے اور دوست تو
 ایک ہی تھی ندا۔

”ندا کہاں ہے؟“ اچانک اس نے ندا کی تلاش میں نگاہ دوڑائی اور ندا اسے فریال کے ہمراہ اپنی کزن
 کے درمیان خوب گپ شپ کرتی مل گئی تھی۔ ندا تو اسے یہاں لا کر بھول ہی گئی تھی۔ وہ یہاں شاید محض خانہ
 پری کے لیے لائی گئی تھی۔ وہ یہ سوچ رہی تھی۔ دو نگاہیں مسلسل نیلم کے چہرے پر مرکوز تھیں اگر نیلم ان
 نگاہوں کو دیکھ لیتی تو نیلم کو احساس ہوتا کہ وہ محض خانہ پری کے لیے نہیں آئی تھی بلکہ اس کے ہونے سے تو
 اس ایک شخص کا پورا دن یادگار بن گیا تھا۔ جہاں جہاں نیلم جاتی بہرام کی نگاہیں اس کے چہرے کے گرد
 منڈلاتی رہتیں، وہ اب اس کے قریب نہیں تھا لیکن فاصلے پر مرکوز و محو نیلم کی ذات ہی تھی۔ نیلم کو اچانک
 محسوس ہوا کہ کوئی اس کے قریب آیا ہے، وہ کوئی اور نہیں بہرام شاہ ہی تھا۔

”کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟“ نیلم ایک طرف کونے میں بیٹھی تھی، وہاں بہرام برابر موجود کرسی پر
 بیٹھنے کے لیے نیلم سے اجازت طلب کر رہا تھا۔ نیلم کی خاموشی کو اس کی رضا مندی سمجھ کر بہرام شاہ بیٹھ گیا
 تھا۔

”میں نہیں جانتا کہ آپ مجھے اتنا برا کیوں سمجھتی ہیں جبکہ اب تو کسی کو مجھ سے شکوہ نہیں رہا، آپ عالیہ سے

پوچھ سکتی ہیں۔“ نیلم سن ضرور رہی تھی لیکن نگاہیں اندر پر مرکوز تھیں اور سوچ رہی تھی کہ ندا اور فریال نے اگر اس طرح بہرام کو اس کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا تو نجانے کیا خیال کریں گی؟ وہ پریشان ہو رہی تھی۔
”مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ یہاں ہوں گے ورنہ بھی اس تقریب میں شرکت کے لیے نہ آتی۔“ نیلم نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔

”کیا میں اتنا برا ہوں کہ میری بات کو ایک بار بھی نہ سنا جائے؟“ بہرام نے ٹوٹے دل کے ساتھ پوچھا۔
نیلم نے اچانک پلٹ کر بہرام کو دیکھا۔ بہرام کی نگاہوں سے نیلم کو خوف آتا تھا اسے اپنا ہی خوب صورت عکس ہمیشہ بہرام کی نگاہ میں ملتا تھا۔ جس سے وہ نظریں چرانے پر مجبور ہو جاتی تھی۔

”آخر میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ مانا اس دن کچھ سخت جملے کہہ دیے تھے۔ میں معذرت چاہتی ہوں، پلیز اب میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ بدلہ لینے کا خیال چھوڑ دیں۔“ نیلم نے رو ہانسی ہو کر کہا۔

”آپ بھی جانتی ہیں کہ جو آپ کہہ رہے ہیں وہ سچ نہیں ہے، میرے جذبات سچے ہیں، میرے دل کی ہر دھڑکن گواہ ہے کہ میں نے کبھی بدلہ کا سوچا تک نہیں، بدلہ کس بات کا؟ میں نے جب سے آپ کو دیکھا اپنی سدھ بدھ میں ہی نہیں رہی۔“ نیلم سے مزید سنا اب گوارہ نہ رہا تھا۔

”میری منگنی ہو چکی ہے اور عنقریب شادی بھی ہو جائے گی، میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔“ نیلم نے باقاعدہ دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

”اس کنگال کے ساتھ منگنی ہوئی ہے جو پورے مہینے میں اتنا نہیں کما سکتا جتنا میں ایک دن میں اڑا دیتا ہوں۔“ بہرام کا جلالی انداز عود کرایا تھا، رقابت، حسد کا جذبہ اس کے اندر جاگ چکا تھا۔

”بس یہیں سے ہمارا اختلاف شروع ہوتا ہے، آپ ہر چیز کو پیسوں میں کیوں تولتے ہیں؟ کیا ہر شے بک جاتی ہے، کسی کی محبت بھی پلڑے میں تولی جاسکتی ہے؟“ نیلم کا لہجہ حد درجہ سرد تھا۔ کاشف اور نیلم کے بارے میں سوچ کر اس کا غصے سے برا حال تھا۔

”اس کاشف کو درمیان سے ہٹا دو۔ میرے بارے میں سوچو، سمجھو وہ ہے ہی نہیں پھر کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟“ ایک پل کے لیے نیلم کا دل کاشف کے لیے پریشان ہوا۔ کیا وہ کاشف کو درمیان سے ہٹانے کی بات کرے گا؟

”مجھے لگتا ہے کہ آپ اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہیں؟“ نیلم نے کہہ کر اٹھنا چاہا لیکن بہرام نے اس کو اٹھتا دیکھ کر خود اٹھ کر اس کا راستہ غیر محسوس طریقے سے روک لیا، نہ وہ آگے جاسکتی تھی اور اس کی بات سننے کے لیے مجبور تھی۔

”نیلم دنیا کے تمام لوگ مل کر تمہیں اتنا نہیں چاہ سکتے جتنی محبت ایک میرے دل میں رب نے تمہارے لیے ڈال دی ہے، جو میرے اپنے بس میں نہیں رہی یا تو مجھے اپنا لو یا مجھے مار ڈالو۔“ بہرام کا لہجہ سچائی سے پر تھا۔ نیلم کا سانس رکنے لگا تھا۔

محبت، اپنائیت، چاہت، خفگی، ناراضی، شکوہ کیا کچھ بہرام کی نگاہ میں درج نہ تھا۔ وہ ہک دک سی بت بنی اس کی آنکھ میں جھانک کر کھڑی تھی۔ حتیٰ کہ بہرام نے جو اس کا راستہ روکے کھڑا تھا وہ بھی آگے بڑھا لیکن

وہ وہیں کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی تھی۔ اسے اپنی ٹانگوں میں جان محسوس نہ ہو رہی تھی اس لیے وہ وہیں بیٹھ گئی، پوری تقریب میں وہ پریشان اور بے چینی کی کیفیت میں رہی۔ اس کے چہرے کی رنگت پہلی ہو رہی تھی، ایک عجیب سا احساس حاوی تھا، دوسری طرف اچانک ہی ارسل نے تقریب میں آ کر نہ صرف فریال کو سر پر انز دیا تھا بلکہ اس نے ندا کے چہرے پر بھی رونق بڑھادی تھی۔

ارسل نے بے حد خوب صورت پیانو گفٹ میں فریال کو دیا تھا، فریال کو میوزک کا شوق تھا اور وہ باقاعدہ کلاسز بھی شام میں لیتی تھی، یہ تحفہ اس کے لیے خاص الخاص تھا، احمد تقریب میں کچھ ادا اس سا گھوم رہا تھا۔

”آپ نے مجھے کوئی تحفہ نہیں دیا؟“ احمد کے پاس جا کر خود فریال نے کہا تو احمد ایک دم خاموش ہوا۔

”پیانو مل گیا اس کے بعد کسی تحفے کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے؟“ بے ساختہ احمد کے منہ سے نکلا۔ فریال دنگ رہ گئی تھی، دوسرے ہی پل احمد کو اپنے انداز پر ندامت ہوئی کیونکہ ان کے بابا نے ان کے سامنے ارسل اور فریال کا جو پرپوزل رکھا تھا۔ اس کے بارے میں یقیناً فریال کو تو سرے سے علم ہی نہیں تھا یہ تو ان لوگوں کی آپس کی ایک رائے تھی اور اب وہ اپنا سارا غصہ اس بے چاری لڑکی پر عین اس کی سالگرہ کے دن اتار رہا تھا جو کہ سراسر غلط بات تھی۔

”یہ کیا بات کہی، ہر ایک کے تحفے کی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔“ ندا نے سن لیا تھا تو وہ درمیان میں ہی کود پڑی تھی۔

UUNovels.com

”یہ کون ہے؟“ احمد حیران ہوا۔

”یہ میری دوست ندا ہے۔“ فریال نے تعارفی مرحلہ طے کیا۔

”اور آپ احمد ہیں، آپ کی اتنی تعریفیں سن چکی ہوں کہ ملنے کا اشتیاق تھا۔“ ندا نے تیزی سے کہا، یہ سن کر احمد کے چہرے پر خوش گوار حیرت درآئی۔

”اچھا کیا بتایا میرے بارے میں فریال نے؟“ اب کے احمد خوش گوار لہجہ میں پوچھ رہا تھا۔ ندا کو معلوم تھا کہ یہ گاڑی آگے بڑھنے والی نہیں تھی اسے ہی اس گاڑی کو دھکا لگانا تھا۔

”وہ سب میں بعد میں بتاؤں گی فریال ذرا میرے لیے اچھا سا ڈرنک لاؤ۔“ فریال کو وہاں سے ہٹانا مقصود تھا مگر فریال ہلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ندا نے احمد کو بتا دیا تھا ایک طرف لے جا کر کہ فریال اس کے لیے کیا سوچتی ہے۔ ڈھکے چھپے لفظوں میں بتائی جانے والی یہ حقیقت سن کر احمد کے چہرے پر سرخوشی چھا گئی تھی۔

”تم نے کیا کہا ہے احمد سے؟“ فریال ندا کو ایک طرف لے جا کر غصے سے پوچھ رہی تھی۔

”کچھ نہیں بس اتنا ہی کہ پڑھائی ختم ہوتے ہی فریال کی امی سے بات کر لیں فریال تیار ہے شادی کے لیے۔“ ندا کی بات سن کر فریال نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

”وہ میرے بارے میں اب کیا سوچے گا کہ میں ایسی ہوں کہ دوست کے ذریعے کہلوادیا اسے پہلے کہنا چاہیے تھا۔“ فریال نے خراب دل کے ساتھ کہا۔

”پگلی محبت میں پہلے بعد نہیں ہوتا اگر یہی سوچتی رہی کہ گاڑی میں سوار پہلے کون ہوگا تو گاڑی ہی چھوٹ

جاتی ہے، احمد نے کہا ہے کہ وہ انکل سے بات کر لے گا اور بتاؤ کیا کہتا وہ۔“ وہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔
 ”ہاں یہ ہی سچ ہے، ویسے انہیں اس کے بعد اتنا مہنگا گفٹ نہیں دینا چاہیے تھا، مجھے محسوس ہوا کہ احمد
 بھائی کو اچھا نہیں لگا کہا تو نہیں مگر.....“ ندانے بتایا۔

”یہ کیا بات ہوئی، تحفہ تو تحفہ ہوتا ہے سستا مہنگا نہیں، دینے والے کی نیت دیکھتی جاتی ہے اور لینے والے کا
 ظرف بھی۔ خلوص نیت سے دیا تحفہ قدر و قیمت رکھتا ہے پھر بنادل کے خواہ مہنگا ترین تحفہ ہی کیوں نہ دے دیا
 جائے نیت کے بنا بے مول رہتا ہے۔ رہی بات احمد کی اسے ایسا نہیں سوچنا چاہیے ارسل بھائی کو میں نے
 ہمیشہ بھائی ہی سمجھا ہے۔“ فریال نے وضاحت پیش کی۔

ندا بھی اس کی بات سے متفق تھی۔ نیلم اور ندانے کھانے سے فراغت کے بعد گھر جانے کا کہا تھا۔
 ”شام ہو گئی ہے سب پریشان ہو رہے ہوں گے، اب چلنا چاہیے۔“ نیلم نے ندا اور فریال سے کہا۔
 ”تھوڑی دیر تو رکھے۔“ فریال نے سنجی انداز میں کہا۔

”کیک کٹ چکا، ملاقات ہو گئی اتنا کافی ہے۔“ نیلم ہنوز اپنی بات پر قائم رہی۔
 ”ٹھیک ہے پھر میں کہتی ہو کسی سے۔“ فریال نے کہا۔

”کسی سے نہیں ڈرائیور کے ساتھ ہم چلے جائیں گے کوئی ایشو نہیں ہے۔“ نیلم ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ
 بہرام ان کے ساتھ پھر سے جائے۔

شفق نے بہرام اور نیلم کو باتیں کرتے دیکھ لیا تھا تب سے شفق نیلم کو نوٹس کر رہی تھی۔ نیلم ہر لحاظ سے شفق
 سے زیادہ خوب صورت تھی، اس وقت وہ تھوڑی سی تیاری کے بعد ہی قیامت ڈھا رہی تھی جبکہ بے حد بیش
 قیمت لباس، میک اپ کے بعد بھی شفق، بہرام کی توجہ اور التفات حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی۔ اسے برا
 محسوس ہو رہا تھا کہ بہرام اتنے دنوں سے اسے مسلسل نظر انداز کر رہا ہے اور اب نظر انداز کرنے کی وجہ بھی
 سامنے آ گئی تھی، اس کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی۔ بہرام کا بار بار بھٹکتی نگاہوں سے نیلم کو دیکھنا، نیلم
 اور ندا جب کھانا کھا رہی تھیں۔ نیلم کے لیے باقاعدہ پلیٹ کھانے کی بھر کر بہرام نے پیش کی، ندانے تو اس
 لیے نوٹس نہیں کیا کہ وہ اپنی پلیٹ میں کچھ لینے لگی تھی لیکن شفق کی نگاہ سے یہ بات نہیں چھپی رہی تھی۔
 ”بہرام بھائی چھوڑ آتے ہیں، انہوں نے تو گھر بھی دیکھ لیا ہے تو آرام سے چھوڑ آئیں گے۔“ فریال
 نے کہا، شفق طنزیہ مسکرائی تھی۔

”ویسے تو بہرام نے بیرے کے بھی فرائض آج ادا کر دیے خوش اسلوبی سے اب ڈرائیور بھی بن جائے
 گا۔“ شفق نے درمیان میں اچک کر جملہ کسا تو فریال حیران رہ گئی۔

”کیا مطلب.....؟“ فریال کو شفق کے طنزیہ انداز پر حیرت ہوئی تھی کیونکہ شفق کبھی بھی فریال سے اس
 طرح بات نہیں کرتی تھی۔

”خیر چھوڑو، جسے سمجھنا تھا وہ تو سمجھ گئی۔“ شفق کی نگاہ نیلم کے چہرے پر گڑھی ہوئی تھی۔
 ندانا سنجی کے عالم میں فریال کو دیکھ رہی تھی جبکہ خود فریال اپنی کزن کے اس طرح کے رویے پر نادام
 ہو رہی تھی۔ نجانے کیوں وہ اس طرح کا برتاؤ کر رہی تھی۔ بہرام از خود آ گیا تھا۔

”لگتا ہے واپس کا وقت ہو گیا میں باہر ویٹ کر رہا ہوں آ جائیں۔“ بہرام نے آگے کچھ سنا ہی نہیں تھا کہ نیلم منع کرتی البتہ شفق کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ جیسے جم سی گئی تھی۔ ندا اور نیلم باہر آ گئی تھیں۔ حسب معمول سر تسلیم خم کر کے کار کا عقبی دروازہ بہرام نے کھولا تو۔ وہ دونوں بیٹھ گئی تھیں۔

”کیا بات ہے آپ کی کزن کو لگتا ہے ہمارے ساتھ آپ کا آنا اچھا نہیں لگا؟“ ندا نے گاڑی اشارت ہوتے ہی بولنا شروع کر دیا، نیلم اتنا اکتا چلی تھی کہ اب ندا کو اس نے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا البتہ خود تو بہ کر لی تھی کہ آج کے بعد کبھی بھی ندا کے ساتھ نہیں آئے گی۔ بہرام نے کار میں میوزک لگا دیا تھا۔

جب کوئی بات بگڑ جائے

جب کوئی مشکل پڑ جائے

تم دینا ساتھ میرا

اوہمنوا

”آپ نے جواب نہیں دیا۔“ ندا نے دوبارہ بات کی۔

”کسی اور بات پر موڈ بگڑا ہوگا اگنور کریں اسے۔“ بہرام نے سادگی سے کہا۔

”میں نے آپ کو ڈرائیور کہا تھا اس کے لیے سوری۔“ ندا نے معذرت کی۔

”اٹس اوکے۔“ بہرام مسکرا دیا۔ راستہ خاموشی سے کٹنے لگا تھا حتیٰ کہ گھر آ گیا تھا، اسی طرح جاتے وقت نیلم ذرا بھی نہ رکھی تھی۔

”ارے کتنی بے مروت ہو شکریہ تو ادا کرنے دیتی۔“ نیلم، ندا کو کھینچ کر گھر کی راہ ایسے لے آئی تھی جیسے اس کے پیچھے تعاقب میں کوئی بھوت ہو۔

”تم نے آج فضول گوئی کی حد کر دی تھی، وہ کیا سوچتا ہوگا کہ تم کتنی بکواس کرتی ہو۔“ نیلم نے ندا کو ڈانٹا۔

”تمہارا موڈ کیوں اتنا خراب ہے؟ اتنا اچھا تو فنکشن تھا، اتنا مزہ آیا۔“ ندا نے حیرت سے اس کے خراب موڈ کی وجہ دریافت کی۔

اتنی دیر میں گھر آ چکا تھا نجانے کس احساس کے زیر اثر نیلم نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے گلی کے موڑ پر پلٹ کر دیکھا تھا حالانکہ وہ تو بہرام شاہ کو وہیں کار تک چھوڑ آئی تھی لیکن یہ لاشعوری طور پر ہوا تھا، وہ پلٹی اور واقعی گلی کی نکل پر بہرام شاہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ نیلم کے گھر میں داخل ہونے سے قبل مڑ کر دیکھنے سے بہرام شاہ کو گونا گوں خوشی کا احساس ہوا تھا۔

وہ ایک دم شپٹائی، اسے رہ رہ کر خود پر بے تحاشا غصہ آیا، اسے بھلا کیا ضرورت تھی مڑ کر دیکھنے کی، وہ چاہتی تو چپ چاپ بنا مڑے بھی تو گھر میں داخل ہو سکتی تھی۔ وہ جلدی سے گھر میں داخل ہوئی اور ندا کے داخل ہوتے ہی اندر کنڈی لگالی تھی۔

”شکر ہے تم لوگ آ گئیں، شام ڈھل رہی ہے مجھے اتنی فکر ہو رہی تھی۔ تمہاری تائی اماں تو دو بار آواز لگا چکی ہیں کہ بچیاں اب تک آئی کہ نہیں، یوں منہ اٹھا کر غیروں کے گھر جوان بچیاں بھیج دیں۔“ سائرہ کی جان

میں جان آئی تھی۔

”ایک تو نیلم کی ساس صاحبہ کو ذرا جوا رام ہو، قسم سے نیلم کا مستقبل بڑا ہی تانباک نظر آ رہا ہے۔ بیٹا۔۔۔۔۔ ماں اور بیوی میں ہی پس کر رہ جائے گا بے چارہ۔“ ندانے بے ساختہ تبصرہ کیا۔

”تم جو منہ میں آتا ہے بول جاتی جانی ہو، کبھی تو وقت دیکھ لیا کرو جب دو وقت مل رہے ہوتے ہیں تب منہ سے اچھی بات نکالنی چاہیے۔“ سائرہ کو ندا کا یوں کہنا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔

”لو بھلا میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔ سارے راستے آپ کی یہ بیٹی مجھے ڈانٹی آئی اور گھر میں داخل ہوتے ہی آپ ڈانٹنا شروع ہو گئی ہیں۔“ ندانے برا سا منہ بنایا۔

”اب زیادہ باتیں نہ بناؤ جا کر کپڑے تبدیل کرو اور کچن میں آ کر بابا کے لیے روٹی پکا دو وہ آتے ہی ہوں گے، صبح سے کچن میں کام کر کے میری کمر دکھ رہی ہے اب۔“ سائرہ نے خفگی سے کہا۔

”امی میں پانچ منٹ میں کپڑے تبدیل کر کے سارا کچن سمیٹ دیتی ہوں۔ آپ اب لیٹ جائیں میں کمر پر مالش بھی کر دوں گی۔“ نیلم نے سعادت مندی سے کہا۔

”ہر کام تم ہی کرنا۔۔۔۔۔ اس کو کوئی نصیحت نہ کرنا، نجانے کیا ہوگا اس لڑکی کا۔ اب یہ نہ جاتی فنکشن میں تو کیا جاتا۔ میں نے مجبوراً ہاں کر دی آئندہ اس کو سمجھا دو اپنے ہی جیسوں میں دوستیاں کرنا چاہیے، یہ طبقاتی اونچ نیچ بہت بار انسان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔“ سائرہ بیگم نے ناصحانہ انداز میں کہا تو ندا کا موڈ خراب ہو گیا تھا، وہ چیپ چاپ کمرے میں چلی گئی تھی۔

”اس گھر میں تو ہر کام کرنے سے پہلے اوپر والوں سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ امی کا یہ انداز اپنا نہیں ہے یہ سب تائی امی کی کرامات ہیں۔“ ندانے بگڑے موڈ کے ساتھ کہا۔

”جب سب معلوم ہے تو پھر بات کا بنگلہ کیوں بنا رہی ہو؟“ سائرہ باہر اندر کی باتیں سن کر سر ہلا کر اپنے کمرے میں چل دی تھیں۔ نیلم نے مزید ندا کو گھر کا ندا بولتی رہی اور نیلم جلدی سے لباس تبدیل کر کے کچن میں آ گئی تھی، امی نے مٹر آلو کا سالن پکا رکھا تھا۔ اس نے جلدی سے فریج سے آٹا نکالا اور روٹیاں پکانے لگی۔ ندا جس قدر ٹھونس کر آئی تھی اس کا مزید کچھ کھانا بے کار تھا بلکہ لامحال تھا اس لیے اس نے اندازے سے صرف امی اور بابا کے لیے روٹی پکائی تھی۔

جب نیلم کچن سمیٹ کر امی ابا کو کھانا کھلا کر کمرے میں آئی تو وہاں ندا آرام سے اپنے بیڈ پر بیٹھی ہوئی نیل پینٹ اتار رہی تھی، منہ سو جا ہوا تھا۔ مزاج بگڑے ہوئے تھے، نیلم نے بھی اسے ٹوکننا مناسب نہیں سمجھا۔ جانتی تھی کہ ندا کی ناراضی زیادہ دیر کے لیے نہیں ہوا کرتی، وہ ذرا سا خفا ہوتی اور پھر مان بھی جلدی جایا کرتی تھی، اس وقت یوں بھی نیلم کا بات کرنے کا موڈ نہیں تھا۔

”وہیے نیلم امیروں کی لائف کتنی خوب صورت ہوتی ہے ناں؟ کیا تمہارا کبھی دل نہیں چاہتا کہ تم بھی ایسی زندگی بسر کرو، ٹھاٹ بات سے جیو، ملازم آگے پیچھے گھوم رہے ہوں اور شو ہرناز برداریاں اٹھا رہا ہو اور یوں ہر شے اپنی دسترس میں ہو جو چاہو پہنو، اوڑھو، جو چاہو کھاؤ پیو اور سب سے بڑھ کر کھلا پیسہ ہو۔“ ندا نجانے کس احساس کے زیر اثر یہ سب کہہ رہی تھی۔ ندا اب کھل کر تو نیلم سے کہہ نہیں سکتی تھی لیکن ندانے

محسوس کیا تھا کہ ارسل کی نگاہوں میں ندا کے لیے واضح پسندیدگی موجود تھی اور وہ محبت تھی۔

اس بات کا احساس اور یقین خود ندا کو بھی نہ تھا لیکن واقعی آج اس طرح کے فنکشن میں جا کر ندا کے اندر کا احساس محرومی جاگ اٹھا تھا۔ وہاں کی ہر شے کتنی بیش قیمت تھی۔ رکھ رکھاؤ سے ملنے والے لوگ چیزوں کی قیمت پیچھے رہ گئی تھی۔ وہ واقعی آج احساس محرومی میں کھو گئی تھی، اس کا لہجہ بھی اسی بات کی مچھلی کھا رہا تھا۔

”تم یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو، دیکھو دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی، اخلاق اور کردار مضبوط ہونا چاہیے۔“ نیلم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بڑی طرح ندا کے ذہن میں رقم آج کی ساری باتیں مٹا دے۔

”یہ سب کتابی باتیں ہیں اور کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں، تم یوں طفل تسلیاں اپنے دل کو دے سکتی ہو۔ میں نے تو محض تم سے ایک سوال پوچھا ہے اور تم نے سامنے سے لپکھ پلا نا شروع کر دیا، نجما نے تمہارے اندر یہ بوڑھوں والی روح کہاں سے محلول کر گئی ہے۔“ ندا نے چہرے پر واضح بے زاری پیدا کر کے کہا۔

”دیکھو ندا..... جو جیسا ہے جتنا ہے اس میں ہی شکر گزاری سے جینا چاہیے، زیادہ کی طلب، زیادہ کی چاہ کبھی کبھی انسان کو اندر سے مرجھانے پر مجبور کر دیتی ہے اور زیادہ کی چاہ انسان کو برباد کر دیتی ہے۔“ نیلم نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

”تو کیا کوشش بھی نہیں کرنی چاہیے؟“ ندا نے سوال کیا۔

”کوشش کرنی چاہیے مگر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے اور ضد نہیں باندھنی چاہیے۔ دیکھو تم دور سے ان کی زندگی کو دیکھ کر مسرور ہو رہی ہو پر اندر کے حالات تم کیا جانو؟ تم کو کیا معلوم کہ ان کے کیا مسائل ہیں، دور کے ڈھول سہانے تم نے سنا تو ہو گا ناں..... ہو سکتا ہے کہ اندرونی مسائل کا شکار ہوں، ہر کسی کی زندگی میں ضرور مسائل ہوتے ہیں، کوئی بھی پورا خوش نہیں ہو سکتا۔“ نیلم کی بات میں وزن تھا مگر ندا کہاں ماننے والوں میں سے تھی۔ اس کے دل میں گرہ پڑ چکی تھی۔

”تم کیا ساری زندگی اس چھوٹے سے ڈر بے نما گھر میں گزار دو گی؟ اپنی ساس کا منہ دیکھا ہے، مجھے تو پورا یقین ہے کہ تمہارا مستقبل ان کے ہاتھوں بہت خراب ہونے والا ہے، ٹوہ لیتی نگاہیں تو بہ تو بہ۔“ ندا نے جھرجھری سی لی تو نیلم مسکرا دی تھی۔

”دیکھو اگر چاہنے والا لائف پارٹنر ہو تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔“ نیلم نے سادگی سے کہا لیکن ندا کو تو موقع مل گیا تھا۔

”ارے دیکھو تو بنوبی کیسے کاشف بھائی کے نام پر شرمایہ ہیں..... ہائے اللہ جی۔“ ندا نے ہنستے ہوئے نیلم کو چھیڑا۔ نیلم نے بھی برا نہیں مانا۔ یہ سچ ہی تو تھا کاشف کی محبت اس کا سہارا تھی۔ اسے کبھی بھی تائی اماں کی کڑوی کیلی باتوں کا دکھ نہیں ہوتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کڑوی دوا کے بعد کاشف کے ساتھ کاشف بھی اس کا ہی نصیب ہونے والا ہے۔ وہ ہر طرح کے نامساعد حالات میں جینے کی عادی ہو چکی تھی۔

”لیکن میں ایسے گھر میں نہیں جینا چاہتی جہاں روز کی چک چک ہو۔“ ندا نے صاف گوئی سے کہا۔

”اچھا یہ تو نصیب کے کھیل ہوتے ہیں، انسان کے چاہنے نا چاہنے سے بھلا کیا ہوتا ہے۔“ نیلم نے ندا کو جواب دیا۔

”ابھی تو تم نے کہا کہ کوشش کر سکتے ہیں اور اب خود ہی اپنی بات کو رد کر رہی ہو۔ میں کوشش اور دعا کروں گی۔ مجھے نہیں رہنا ایسے کسی گھر میں۔“ ندانے برا سامنہ بنایا۔

”دیکھو ننداز زیادہ اونچے خواب نہیں دیکھنے چاہیں جو ملتا ہے اس پر شکر گزاری کے ساتھ جینا سیکھو اور میں تو کہوں گی تم اب ذرا اس لڑکی فریال سے فاصلے سے رہو، اس کے گھر زیادہ جانا بھی اچھا نہیں ہے، میل جول اپنے جیسوں میں ہی اچھے لگتے ہیں، اونچے گھرانوں کے شاہانہ مزاج ہم سے میل نہیں کھاتے۔“ نیلم نے آہستہ آہستہ ندا کو سمجھانا شروع کر دیا تھا۔

”تم اب امی کی طرح شروع ہو گئی ہو اور امی بھی کب اپنی سوچ کے تحت بول رہی تھیں وہ بھی وہی سب کچھ بول رہی تھیں جو تائی امی نے اپنا نفاذ نافذ کیا تھا۔“ ندانے منہ بسور کر کہا۔

”اب جس نے جو بھی کہا، کہا تو درست ہی ہے ناں؟“ نیلم نے ہار تسلیم کرتے ہوئے کہا۔

”میری جان چھوڑ دو بابا۔“ ندانے تھک ہار کر اپنا تکیہ اٹھا کر اپنے منہ پر رکھ کر سونے کی اداکاری شروع کر دی، یوں جتا رہی تھی جیسے کہ وہ نیلم کی بے سرو پا باتوں سے سخت عاجز آ گئی ہے۔ نیلم ہولے سے اس کے انداز کو دیکھ کر مسکرائی، گہری سانس لے کر اس نے لائٹ آف کر دی اور وہ بھی سونے کے ارادے سے لیٹ گئی تھی۔ اس نے جیسے ہی آنکھیں بند کیں بہرام شاہ کا مسکراتا ہوا چہرہ اس کی بندنگاہوں میں روشن ہو گیا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ گئی اور گہرے سانس لے رہی تھی، ایک انجانا سا خوف اس کے رگ و پے میں دن بہ دن سرایت کرتا چلا جا رہا تھا۔

صد شکر کے ندانے اس سے بہرام کے متعلق کچھ نہیں پوچھا تھا اور یہی سوچا تھا کہ نیلم نے دھیان ہی نہیں دیا ہو گا کہ بہرام بھی اس کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتا ہے۔ اب نیلم اسے کیا بتاتی کہ اس کے دل کا سب سے بڑا خوف ہی یہ شخص بن چکا ہے، پوری کوشش کے باوجود کہ وہ اس کے خوف کو جھٹلا کر پرسکون ہو جائے، اس کی ہر ممکن کوشش ناکام ٹھہرتی تھی۔ وہ شخص اس کے حواسوں پر بری طرح غالب آ چکا تھا۔ اس کی نگاہوں میں موجود نیلم کے لیے واضح طور پر گہری پسندیدگی اب نیلم سے بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی، سارے فنکشن میں بہرام کا نیلم کے گرد پروانے کی مانند منڈلانا نیلم کے اعصاب پر وہ بری طرح سے حاوی ہو گیا تھا۔ نیلم آیت کریمہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے اعصاب کو حتی الامکان پرسکون کرنے کی کوشش میں تھک ہار کر سو گئی تھی۔ نیند کی مہربان گھڑیاں اس کو اپنی آغوش میں لے چکی تھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

